

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم وہ نستعین

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے اور یہ شمارہ آپ تک پہنچتے پہنچتے رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ اس ماہ مبارک میں لوگ عموماً زیادہ مائل عبادت ہوتے ہیں اور شیاطین کے قید کر دیئے جانے یا ماحول کے بدل جانے سے یا فضل ایزدی کے بندوں کی جانب زیادہ متوجہ ہونے کی بناء پر بدنی و مالی عبادات کی طرف دل مائل ہونے لگتے ہیں۔ ماہ صیام میں لوگ زکوٰۃ سے متعلق عموماً سوال کرتے ہیں اور وہ جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے کن اموال پر کس شرح سے اور کسے زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ چنانچہ آج زکوٰۃ کے بعض مسائل و معاملات پر گفتگو ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ ان اموال پر ہے جو فقہ کی اصطلاح میں نامی ہوں یعنی جن میں نمو، بڑھوتری ہو اور پھر نمو یا بڑھوتری کی دوسو مرتب فقہاء نے بیان کی ہیں کہ یا تو حقیقتاً مال بڑھنے والا ہو یا حکماً (تقدیراً) بڑھنے والا ہو۔

حقیقتاً بڑھنا یہ ہے کہ جیسے جانور تو والد و تاسل کے ذریعہ بڑھتے ہیں کہ ان میں بچے پیدا ہوتے اور ریوڑ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یا تجارت میں لگایا ہوا مال منافع کے ذریعہ بڑھتا رہتا ہے۔ حکماً یا تقدیراً بڑھنا یہ ہے کہ مال حقیقت میں تو بڑھنے والا نہ ہو مگر اسے بڑھنے والا کہا جاسکتا ہو کہ اگر مالک اسے بڑھانے کے ذرائع اختیار کرے تو وہ بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری بات یہ کہ زکوٰۃ ایسے اموال پر لاگو ہوتی ہے جو فارغ عن الدین اور فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ ہوں۔ دین سے مراد ایسا قرض ہے کہ جس کی ادائیگی فوری یا کچھ مدت کے اندر کرنا لازم ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص پر ایسا قرض ہے تو قرض کی رقم منہا کر کے باقی جو مال بچے گا اس پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر خطبہ میں فرمایا فن کان لہ مال وعلیہ دین فلیجب مالہ بما علیہ ثم لیزک بقیۃ مالہ۔ یعنی اگر کسی کے پاس مال ہے اور اس پر قرض بھی ہے تو وہ قرض کی رقم منہا کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

مثلاً ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں جو اس کی حوائجِ اصلیہ (ضروریاتِ زندگی) سے زائد ہیں مگر اس پر اسی ہزار روپے قرض بھی ہے جو اسے جلد ادا کرتا ہے تو وہ قرض کی رقم منہا کر کے باقی بیس ہزار پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔ پھر فقہاء نے دین (قرض) کی اقسام بیان کی ہیں کہ کون سا دین مانعِ زکوٰۃ ہے اور کونسا نہیں۔ خلاصہ ان کے اقوال کا یہ ہے کہ وہ قرض جس کی ادائیگی کی مہلت طویل ہے (جسے دینِ طویل الاجل کہا جاتا ہے) اور وہ قسطوں میں ادا کرتا ہے تو جس قدر قسط اس سال ادا کرنی ہے اتنی رقم کل مال سے منہا کر کے باقی مال پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور قرض کی پوری رقم چونکہ فوری طور پر ادا نہیں کرنی ہے اس لئے پوری رقم کل مال میں سے منہا نہیں کی جائے گی۔ (تفصیلات کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے) اور اگر پوری رقم کی ادائیگی فوری طور پر کرنی ہے تو پوری رقم کل مال سے منہا کر کے بقیہ پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

حاجتِ اصلیہ وہ ہے جو انسان کو حقیقت یا تقدیراً ہلاک ہونے سے بچائے۔ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونے سے مراد ایسا مال ہے جو ضروریاتِ زندگی کے علاوہ ہو۔ اور حاجتِ اصلیہ (ضروریاتِ زندگی) کیا ہیں ان کے بارے میں علامہ طحاوی نے فرمایا: کثیاب المحتاج الیہا لدفع الحر والبرد و کالتفقتہ و دور السکنی و آلات الحرب و الحرفۃ و اساس المنزل و دو اب الرکوب و کتب العلم لاهلہا۔ یعنی ضرورت کے مطابق گرمی اور سردی کے موسم میں پہننے کے کپڑے کھانے پینے کی اشیاء رہنے کا مکان، جنگی سامان، پیشہ ورانہ آلات، گھر کا سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے ضرورت کی کتابیں۔ حاجتِ اصلیہ کا تعین ہر شخص کے مقام و مرتبہ، پیشہ اور ماحول و طبقات کے اعتبار سے ہوگا۔

کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک وکیل کی ضروریات ایک ٹھیلے والے سے اور ایک مزدور کی ضروریات ایک حج سے مختلف ہوں گی اسی طرح ایک تاجر کی ضروریات ایک عالم سے اور ایک طالب علم کی ضروریات ایک ماہر فن سے مختلف ہوں گی۔ (واضح رہے کہ یہ گفتگو ان اموال کے بارے میں ہے جو زمینوں سے متعلق نہیں، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھیت کی جو بھی پیداوار ہو اس میں قرض منہا کر کے زکوٰۃ نہیں بلکہ کل پیداوار پر عشر یا نصف عشر ہے۔)

تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر ہے جو انسان کی ملک میں ہو۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ملک تام ہو یعنی یہ ادا تصرفاً وہ اس کا مالک ہو۔

ملک تمام کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ بسا اوقات انسان ایک مال کا مالک تو ہوتا ہے مگر کامل طور پر مالک نہیں ہوتا یعنی کبھی تو مال قبضہ میں ہوتے ہوئے بھی اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی (جیسے مالک مکان کے پاس کرایہ دار کا ڈپازٹ) اور کبھی مال قبضہ میں نہیں ہوتا ملکیت میں ہوتا ہے جیسے پراویڈنٹ فنڈ۔ کہ ہوتا ملازم کا ہے مگر قبضہ میں سرکار کے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے اموال پر ملکیت تامہ (مکمل ملکیت و اختیار) حاصل ہوئے بغیر زکوٰۃ نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بعض اموال انسان کے ایسے ہوتے ہیں جو فی الحال اس کے قبضہ میں اور ملکیت میں نہیں ہوتے لیکن ان پر قبضہ و ملکیت تامہ اسے حاصل ہونا تحقیق (یقینی) ہے۔ جیسے (دین قوی) قرض پر دی ہوئی رقم یا شین یعنی فروخت کئے ہوئے مال کی قیمت جس کا ملنا یقینی ہے تو اس پر فقہاء کے بقول زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ العجب دین قوی کی رقم کا معاملہ یہ ہے کہ وصولی کے بعد گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ بھی اس پر ادا کرنا ہوگی۔

مال تجارت جو کسی تاجر کی ملکیت میں ہے اور اس پر حوالان حول یعنی سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن یہ یاد رہے کہ قیمت خرید کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس وقت جو اس کی قیمت ہے (مارکیٹ ویلو) اس کے حساب سے اس پر زکوٰۃ ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے فرمایا: وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الالاء وفي السوائيم يوم الالاء اجماعاً۔ (در مختار)

شریز اور بونڈز پر زکوٰۃ کے بارے میں عموماً سوال ہوتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے تو شرز اگر ان کمپنیز کے ہیں جن کا کل سرمایہ تجارت میں لگا ہوا ہے تو شرز کی کل مالیت پر اس وقت کی قیمت (مارکیٹ ریٹ) کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جو زکوٰۃ ادا کرنے کے دن مارکیٹ میں تھی۔ اور اگر ایسی کمپنیوں کے شرز ہیں جن کا کچھ اثاثہ کارخانوں مشینری اور دیگر ضروری عمارتوں میں لگا ہوا ہے اور کچھ کاروبار میں تو جتنا کاروبار میں ہے اس شرح سے شرز پر زکوٰۃ ہوگی جیسے مثلاً جس کمپنی کے شرز ہیں اس کا ۷۰ فیصد سرمایہ کاروبار میں ہے اور تیس فیصد مشینری اور کارخانہ وغیرہ میں تو اپنے شرز کی کل مالیت کے ستر فیصد پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ (اور شرز کی مالیت زکوٰۃ ادا کرنے کے دن جو مارکیٹ یا اسٹاک ایکسچینج میں ہے اس سے کیا جائے گا)۔ اور اگر اس کا حساب لگانا ناممکن ہو کہ کتنا سرمایہ کس مد میں لگا ہوا ہے تو احتیاطاً پورے شرز پر زکوٰۃ ادا کی جانی چاہئے۔

حرام (سودی) کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شرز پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ مال حرام پر زکوٰۃ نہیں چنانچہ ایسی کمپنیوں کے شرز خریدنا ہی حرام ہے۔ اور اس سے اجتناب لازم۔

بوٹڈز پر زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ بوٹڈز کی رقم بوٹڈز جاری کرنے والے ادارہ پر قرض ہے اور قرض جب وصول کیا جائے گا تب اس پر زکوٰۃ بھی دی جائے گی۔ اگر کوئی احتیاطاً ہر سال حساب کر کے بوٹڈز پر زکوٰۃ دیتا رہے تو کوئی حرج نہیں دے سکتا ہے۔

سونے اور چاندی پر خواہ زیورات کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں استعمال میں ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہونے پر زکوٰۃ ہے۔ اور نصاب چاندی کا ساڑھے باون تولے اور سونے کا ساڑھے سات تولے ہے۔ البتہ ہیرے اور جواہرات پر زکوٰۃ نہیں۔ خواہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر تجارت کے لئے خریدے ہیں تو پھر مال تجارت ہونے کی بنا پر زکوٰۃ ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کے زکوٰۃ کس شرح سے اور کسے دی جائے تو کتاب و سنت سے اڑھائی فیصد شرح زکوٰۃ ثابت ہے اور اس میں ترجیح کسی قریبی عزیز کو حاصل ہے جو تنگ دست و محتاج ہو، فقیر ہو یا مسکین ہو، مگر یاد رہے کہ اپنے اصل و فرع کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اصل سے مراد والدین اور ان کے والدین و اجداد وغیرہ اور فرع سے مراد اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ۔ پھر معاشرے کے مساکین و یتامی محتاج، غریب طبقے کے لوگ اور وہ لوگ جن کا ذکر قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہے۔

زکوٰۃ کے لئے مستحق کو تلاش کرنا اور اس تک زکوٰۃ پہنچانا بھی زکوٰۃ ادا کرنے والے کی ذمہ داری ہے۔ صرف کسی خیراتی ادارے کو زکوٰۃ دے کر مطمئن ہو جانا یا بنک اکاؤنٹ سے زکوٰۃ منہا کروادینا کافی نہیں۔

رہائش کے مکان، سواری کے جانور (گاڑی) اور کارخانہ کی مشینری و اثاثہ جات پر زکوٰۃ نہیں۔

رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں جب سال پورا ہو جائے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ رمضان المبارک سے رمضان المبارک تک کسی نے سال کا حساب رکھا تو حرج نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ رمضان المبارک میں چونکہ نیکی کا ثواب زیادہ ہے اس لئے اگر رمضان المبارک میں زکوٰۃ دے تو اللہ سے اجر مزید کی امید کی جاسکتی ہے۔ (ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)